إني أسئلك من الخير كله عاجله وآجله ماعلمت منه ومالم أعلم ، اللهم إني اسألك من خير ماسألك عبدك ونبيك ، وأعوذبك من شر ماعاذ به عبدك ونبيك ، اللهم إني أسألك الجنة وماقرب إليها من قول أو عمل وأعوذبک من النار وماقرب إليها من قول او عمل وأسألك أن تجعل كل قضاء قضيته لي خيراً ."[سنن ابن ماجه كتاب الدعاء باب ٤ ح٣٨٤٦]

(بشکریہ المجتمع ۲۰۰۸/۵/۲۴ء)

اسلامی غیرت وحمیت کی روشن مثالیں

۱۔ ۱۸جون ۲۰۰۸ ہارورڈیونیورسٹی امریکہ کے طالب علم صمد خرم نے نیشنل آرٹ گیلری اسلام آباد میں منعقدہ تقریب میں مہمان خصوصی امریکی سفیر Anne Patterson کے ہاتھوں سے ایوارڈ لینے سے انکار کرتے ہوئے امریکہ کی ناانصافیوں پر احتجاج کیا۔

۲۔ ۶نومبر ۲۰۰۸ کواسلام آباد کے ایک انگلش میڈیم سکول کی ایک تقریب میں ایک فحش ڈانس کے بعد ایک نوجوان باریش طالب علم کے گلے میں پرنسپل صاحبہ نے گولڈ میڈل ڈال کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے نظریں جھکا کر ہاتھ کھینچ لیا۔

۳۔ اسی تقریب میں سترہ سالہ دانیال کو گولڈ میڈل لینے کے لیے بلایا گیا تو سیدھے ڈائس پر جا کر مائیک تھام لیا اور کہا کہ وہ اس مجلس میں رمضان المبارک کے تقدس کی پامالی پر احتجاجاً اپنا گولڈ میڈل وصول نہیں کرے گا۔

۴۔ ۱۱ اکتوبر ۲۰۰۹ کو پنجاب یونیورسٹی لاء کالج میں LLB کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم محمد شاھد نے گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے ہاتھ سے گولڈ میڈل لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ آپ اسلام اور پاکستان کے مفادات کے مخالف ہیں۔

۵۔ ۱۶نومبر ۲۰۰۹ کو دی یونیورسٹی آف فیصل آباد سے ٹیکسٹائل انجینئرنگ میں تیسری پوزیشن پانے والے طالب علم عطار سول مہاروی نے سلمان تاثیر کے ہاتھ سے براونز میڈل وصول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ آپ گستاخِ رسول کے سرپرست بن کر خود گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

۶۔ ۲۲جنوری ۲۰۱۰ کو OPF گرلز کالج اسلام آباد میں پہلی پوزیشن لینے والی طالبہ اسماء وحید نے وفاقی وزیر ڈاکٹر فاروق ستار سے احتجاجاً سرٹیفکیٹ وصول کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ آپ صدر پرویز مشرف کے حامی رہے ہیں، جس نے ڈاکٹر عافیہ صدیقی سمیت بہت سے محبّ وطن اور مخلص مسلمانوں کو امریکہ کے ہاتھوں فروخت کیا ہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں — پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

انتخاب واختصار: مدیرالتحریر (بشکریہ از ماہنامہ الحق ستمبر ۲۰۱۱ء بقلم محمد امین خالد)

اسلامی معیشت قسط:۲

حرمتِ سود

مولانا ارشاد الحق اثری۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد

قرآن مجید اور سلف کے اس موقف سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قرض پر اصل رقم سے زائد وصول کرنا ''ربا'' ہے ربا کی یہ صورت زمانہ جاہلیت میں پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا تو صحابہ کرامؓ نے اس کی تعمیل کرتے ہوئے ربا کو اس طرح چھوڑ دیا جس طرح شراب کی حرمت نازل ہونے پر انہوں نے شراب کے مٹکوں کو انڈیل دیا تھا۔ قرض ذاتی ہو یا شخصی، تجارت کی صورت میں ہو یا اجتماعی اور جماعتی نوعیت کا یہ سب صورتیں جاہلیت میں پائی جاتی تھیں۔ ربا کی حرمت ان تمام قسموں کو شامل تھی۔ اسی کو اصطلاحاً ''ربا النسیئة'' کہا جاتا ہے۔

ربا کی ایک اور صورت ہے جسے ربا الفضل یا ربا حکمی کہا جاتا ہے۔ متعدد احادیث میں اس کی ممانعت اور حرمت کا ذکر ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**الذهب بالذهب والفضة بالفضة والتمر بالتمر والبر بالبر والشعير بالشعير والملح بالملح مثلاً بمثل يداً بيد فمن زاد او استزاد فقد اربیٰ، الآخذ والمعطى فيه سواء**'' [مسلم كتاب المساقاة باب الصرف] ''سونا سونے کے بدلے میں، چاندی چاندی کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، گندم گندم کے بدلے میں، جو جو کے بدلے میں اور نمک نمک کے بارے میں بیچا جا سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ برابر ہو اور ہاتھوں ہاتھ ہوں۔ جس نے زیادہ دیا زیادہ لیا اس نے سود کا معاملہ کیا، لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔''

عرب میں اس نوعیت کی خرید و فروخت میں چند صورتیں تھیں، جنہیں مزابنہ و محاقلہ کہا جاتا تھا۔

مزابنہ یہ ہے کہ درخت میں لگے ہوئے پھل کو خشک پھلوں کے بدلے میں اندازاً فروخت کیا جاتا تھا۔

محاقلہ یہ ہے کہ کھڑی کھیت کے غلہ کو خشک یا پکے اور تیار شدہ غلہ گندم یا چنے کے عوض اندازہ لگا کر فروخت کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ اسی طرح ردی اور ناقص کھجوریں دو صاع دے کر ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی منع فرما دیا۔

ان چھ چیزوں میں معاملہ دست بدست ہو اور ایک ہی جنس کے تبادلے کا معاملہ ہو تو اس میں اضافہ ممنوع ہے اور ان میں ادھار لین دین بھی منع ہے؛ لیکن اگر جنس تبدیل ہو جائے مثلاً گندم کے مقابلے میں جو، یا سونے کے مقابلے میں چاندی یا کھجور کے مقابلے میں جو، تو ان میں اضافہ جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ معاملہ ادھار پر مبنی نہ ہو نقد ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے بصراحت منقول ہے: ''**فإذا اختلف الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يداً بيد**'' [مسلم]

''اگر اشیاء کی اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ یہ نقداً ہاتھوں ہاتھ ہو۔''

ان چھ کے علاوہ باقی اشیاء کا بھی یہی حکم ہے یا ان میں سے اضافہ جائز ہے؟ اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن حزم تو ان چھ چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز میں ربا الفضل کے قائل نہیں ہیں۔ مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ حرمت وممانعت صرف چھ چیزوں میں نہیں، بلکہ باقی اشیاء میں بھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ دور نبوی میں اکثر وبیشتر ان چھ چیزوں میں تجارتی معاملات ہوتے تھے، اس لیے ان کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا۔ البتہ جمہور میں یہ اختلاف ہے کہ ان اشیاء میں حرمت وممانعت کی علت اور سبب کیا ہے؟

مالکیہ کے نزدیک علت ذخیرہ اندوزی ہے کہ جو اشیاء ذخیرہ ہوسکتی ہیں ان سب میں یہی حکم ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک علت ماکول غذا ہونا ہے جبکہ احناف کے نزدیک علت قدر وجنس میں اتحاد ہے یعنی ماپ اور تول کا طریقہ ایک اور جنس ایک ہو۔ [شرح مسلم للنووی ۳/ ۲۳]

وہ اشیاء جن کی خرید وفروخت ماپ تول سے نہیں ہوتی بلکہ گنتی کر کے تبادلہ کیا جاتا ہے جیسے ایک حیوان دو حیوان کے بدلے میں ان میں اضافہ جائز ہے بشرطیکہ نقد ہو۔ لیکن اگر ان کا معاملہ بھی ادھار پر ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء تو مطلقاً جواز کے قائل ہیں، مگر امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ تفاضل کو درست نہیں سمجھتے۔ علامہ شوکانیؒ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے تفصیل کا یہ محل نہیں۔ شائقین [نیل الأوطار ۵/ ۲۱۷-۲۱۸] ملاحظہ فرمائیں۔

غالباً ربا کی اسی صورت کے تناظر میں حضرت عمر فاروق ؓ کا فرمان ہے: '' إن اٰیة الربا من آخر ما نزل من القرآن وأن النبی ﷺ قبض قبل أن یبینه لنا فدعوا الربوٰ والریبة '' [ابن کثیر ۱/ ۳۲۸، ابن ماجہ]
''یعنی آیت ربا قرآن مجید کی آخری آیتوں میں سے ہے۔ اس کی پوری تفصیلات بیان فرمانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی، اس لیے ربا اور جس صورت میں ربا کا شبہ بھی ہو اس کو بھی چھوڑ دو۔''

اصل ربا تو تمام عرب میں معروف تھا۔ اس کے بارے میں تو شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ شبہ ان معاملات میں ہوا جو عرب میں ربا سمجھا نہیں جاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے ربا قرار دے کر منع فرمادیا۔ ان میں اور کون کون سی قسمیں شامل ہیں اور کن کن صورتیں پر ربا کا اطلاق ہوتا ہے، اسی پہلو سے متعلق حضرت فاروق اعظم ؓ نے فرمایا کہ ربا ہی نہیں شبہ ربا کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ ان کے اس فرمان کا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ اصل ربا کا مفہوم اور اطلاق ہی غیر واضح اور مجمل ہے۔

بعض نفس پرستوں نے اسی بنیاد پر ربا کے مفہوم میں موشگافیاں کر کے اس کے جواز کی راہ نکالنے کے مذموم کوشش کی ہے۔ علامہ ابن العربیؒ نے انہی لوگوں کی تردید بڑی سختی سے کی اور فرمایا ہے: ''إن من زعم أن هذه الآیة مجملة فلم یفهم مقاطع الشریعة، فإن اللّٰه تعالیٰ ارسل رسوله إلیٰ قوم هو منهم بلغتهم وأنزل علیه کتابه تیسیرا منه بلسانه ولسانهم والربا فی اللغة الزیادة والمراد به فی الأیة کل زیادة لا یقابلها عوض'' [احکام القرآن]

"جس نے یہ گمان کیا کہ یہ آیت مجمل ہے اس نے شریعت کی تصریحات کو ہی نہیں سمجھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اس قوم کی طرف بھیجا جس میں وہ خود بھی تھے۔ انہی کی زبان میں بھیجا اور ان پر آسانی کے لیے اپنی کتاب انہی کی زبان میں نازل کیا۔ ربا کے معنی لغت میں زیادتی کے ہیں اور آیت میں وہ زیادتی مراد ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو" اس لیے یہ سمجھنا کہ ربا کا کوئی واضح مفہوم متعین نہیں۔ قطعاً غلط اور حقیقت واقعی کے بالکل منافی ہے۔

یہاں یہ شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ربا النسیئہ یا ربا القرض تو دور جاہلیت میں تھا اور اس کی ممانعت قرآن مجید میں ہے مگر ربا التجارت اس سے یکسر مختلف ہے۔ بنک سے قرض لے کر تجارت کی جاتی ہے یا کوئی مل یا فیکٹری لگائی جاتی ہے۔ اس سے نفع حاصل ہوتا ہے، اس نفع کا اگر کچھ حصہ بنک وصول کرتا ہے تو اس ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔

مگر یہ شبہ بھی غلط اور اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ دور جاہلیت میں ربا القرض تو تھا تجارت کے لیے حاصل شدہ سرمایہ پر ربا کا وجود نہ تھا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ سابقہ دور میں شخصی تجارتی قرض اور اجتماعی تجارتی قرض کے معاملات بھی ہوتے تھے۔ ہندہؓ زوجہ ابی سفیان ؓ نے حضرت عمرؓ سے اجازت لے کر بیت المال سے تجارت ہی کے لیے چار ہزار درہم قرض لے کر تجارت پر لگایا تھا۔ [فتح الباری]

حضرت زبیر بن عوام ؓ فوت ہوئے تو ۲۲ لاکھ درہم کے مقروض تھے۔ اور ان کے مقروض ہونے کا سبب ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص اپنا مال لے کر حضرت زبیر ؓ کے پاس آتا اور کہتا کہ یہ امانت رکھ لیجئے۔ وہ فرماتے کہ نہیں یہ میرے ذمے قرض رہا کیونکہ مجھے اس مال کے ضائع ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ وہ مال کو امانۃً رکھنے کی بجائے قرض اس لیے قرار دیتے تھے کہ امانت کے ضائع ہونے پر اس کا بدلہ واجب الاداء نہیں ہوتا بشرطیکہ حفاظت میں غفلت نہ کی جائے۔ اس لیے وہ خیر خواہی کے طور پر اسے قرض بناتے، امانت نہ رہنے دیتے تا کہ قرض کی صورت میں اس کا مال محفوظ رہے اور اس مال کو وہ تجارت پر لگا دیتے تا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ یہ اور اس نوعیت کے دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت کے لیے قرض لینے کے معاملات اس دور میں بھی ہوتے تھے۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ سابقہ دور میں اس کا رواج نہ تھا بہر حال درست نہیں۔ حرمت ربا کے بعد صحابہ کرام ؓ تو ایسے تجارتی قرض پر لیے ہوئے سرمایہ پر سود نہیں دیتے تھے۔ اس لیے اس کے انکار میں کوئی معقول وجہ نہیں۔ اس طرح اجتماعی قرض کا تصور بھی سابقہ دور میں پایا جاتا ہے۔ امام ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ قبیلہ بنو ثقیف کی ایک شاخ بنو عمرو مکہ مکرمہ کے قبیلے بنو مخزوم کی ایک شاخ بنو مغیرہ کو سودی قرض دیا کرتے تھے۔" [تفسیر طبری ۳۷-۷۱]

مدینہ طیبہ میں یہود معاشی طور پر چھائے ہوئے تھے۔ سود ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا اور سودی بنیاد پر وہ دوسرے افراد بلکہ قبائل کو قرض دیتے تھے۔ اس لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر تجارت کے لیے قرض کا طریقہ سابقہ دور میں پایا جاتا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ قرآن پاک نے تو ربا النسیئہ یعنی قرض پر سود کو ہی منع کیا ہے تجارتی قرض پر نہیں قطعاً غلط ہے۔ مزید یہ کہ